رجسٹرڈ ایل نمبر ۷۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ

سلسلہ عالیہ احمدیہ کا سب سے پہلا اور مشہور و معروف اخبار ہر مہینے کی
۲ و ۶ و ۱۰ و ۱۴ و ۱۸ و ۲۲ و ۲۶ و ۳۰
تاریخ کو قادیان دارالامان سے شایع ہوتا ہے

الحکم

چہ گویم بانو گرآئی چہ باور قادیاں بینی - و دا بینی شفا بینی غرض دارالامان بینی

ایڈیٹر - شیخ یعقوب علی تراب احمدی

چندہ پیشگی سالانہ

۱- عوام سے
۲- خواص و سجادہ نشین سے
۳- ہندوستان سے باہر
رئیس و صاحب والوں سے
۴- اپنی جماعت کے غیر مستطیع وس روپیہ
کم آمدنی والے لوگوں سے

نوٹ
یہ کاسالانہ اضافہ مندرجہ بالا قیمتوں میں ڈبل اشاعت کی وجہ سے کیا گیا
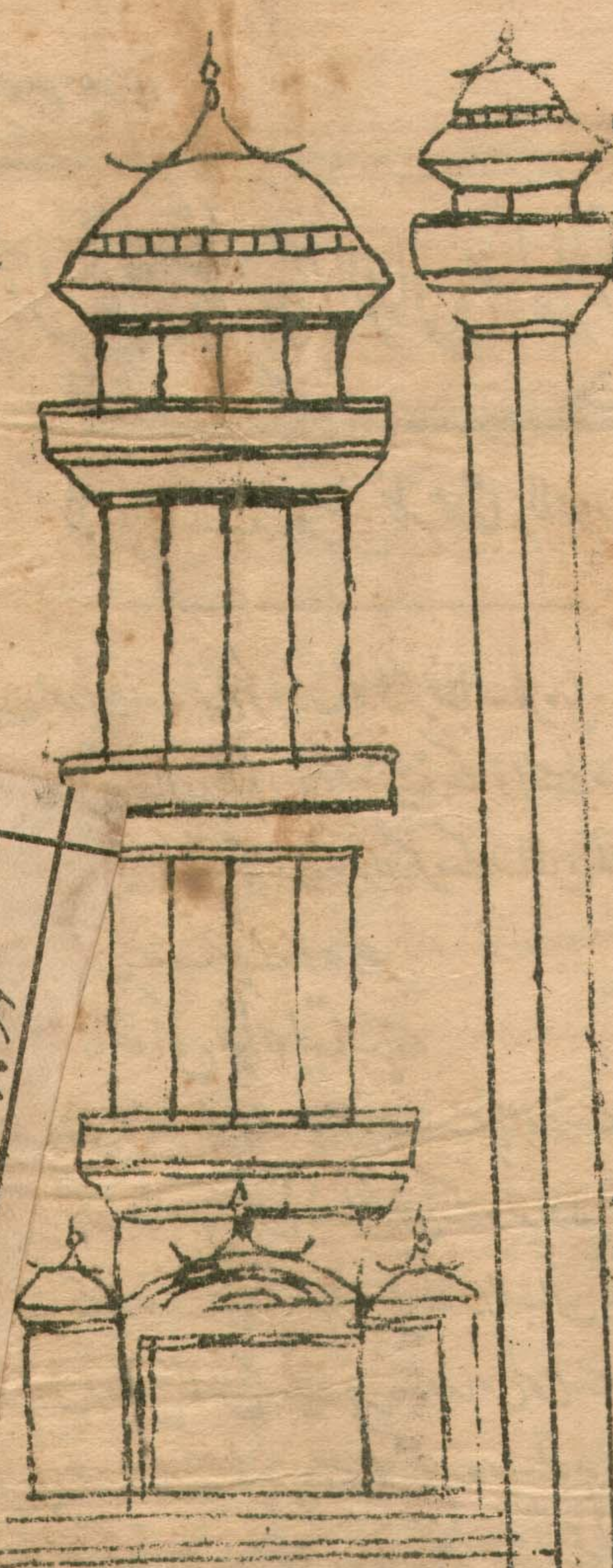
نمبر ۳۵ | قادیان دارالامان مورخہ ۳۰ مئی ۱۹۰۸ء مطابق ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ

آخری وحی[1]

حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الف الف صلوٰۃ والسلام

۹ مئی ۱۹۰۸ء

(۱) سرنگ

(۲) الرحیل ثم الرحیل

۱۵ مئی ۱۹۰۸ء (۳) ڈرو مت مومنو

۱۷ مئی ۱۹۰۸ء کی صبح کو مکرمی جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے چند معزز تعلیم یافتہ روسار لاہور کی دعوت کی تھی اور حضرت اقدس ؑ سے اس موقع پر کچھ تقریر کرنے کی بھی درخواست کی تھی - چنانچہ حضرت اقدس ؑ نے اس کو منظور بھی فرما لیا تھا - ۱۶ کی رات کو حضرت اقدس ؑ کی طبیعت ناساز ہو گئی - اور متواتر چند دست آجانے کی وجہ سے بہت ضعف ہو گیا - چنانچہ ۱۷ کی صبح کو جب حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام بیدار ہوئے تو یہ الہام ہوا

(۴) انی مع الرسول اقوم -

چنانچہ اس وعدہ الٰہی سے طاقت پا کر حضرت اقدس ؑ نے اس موقع پر قریباً اڑھائی گھنٹہ تک کھڑے ہو کر بڑی پرزور تقریر فرمائی -

(عبدالرحمٰن قادیانی احمدی بقلم خود ۱۹ مئی ۱۹۰۸ء از لاہور)

[1] اس خط میں یہ الہامات شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نے لاہور سے ارسال کئے تھے اس میں سرخی بجائے آخری وحی کے تازہ وحی تھی +

کلمات طیبات حضرت امام الزمان سلمہ الرحمن

۹ مئی سنہ ۱۹۰۸ء قبل ظہر بمقام لاہور

طاعون اور ہیضہ وغیرہ وباؤں کا ذکر تھا۔ فرمایا۔ بدقسمت ہے وہ انسان کہ ان بلاؤں سے بچنے کے واسطے سائینس طبعی یا ڈاکٹران وغیرہ کی طرف توجہ کر کے سامان تلاش کرتا ہے۔ اور خوش قسمت ہے وہ جو

خدا کی پناہ لیتا ہے

اور کون ہے جو بجز خدا کے ان آفات سے پناہ دے سکتا ہو؟ اصل میں یہ لوگ جو فلسفی الطبع یا سائینس کے دلدادہ ہیں ایسے مشکلات کے وقت ایک قسم کی تسلی اور اطمینان پانے کے واسطے بعض دلائل تلاش کر لیتے ہیں۔ اور اس طرح سے ان وباؤں کے اصل بواعث اور اغراض سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اور خدا سے پھر بھی غافل ہی رہتے ہیں۔ ہماری جماعت کے ڈاکٹر لوگ سے میں چاہتا ہوں کہ ایسے معاملات میں اپنی ہی علوم کو کافی نہ سمجھیں۔ بلکہ خدا کا خانہ بھی خالی رکھیں اور قطعی فیصلے اور یقینی رائے کا اظہار نہ کر دیا کریں۔ کیونکہ اکثر ایسا تجربہ میں آیا ہے کہ بعض ایسے مریض جن کے حق میں ڈاکٹروں نے متفقہ طور سے قطعی اور یقینی حکم موت کا لگا دیا ہوتا ہے اُن کے واسطے خدا کچھ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ وہ بچ جاتے ہیں اور بعض ایسے لوگوں کی نسبت جو کہ اچھے بھلے اور بظاہر ڈاکٹر لوگ کے نزدیک اُن کی موت کے کوئی آثار نہیں نظر آتے خدا قبل از وقت اُن کی موت کی نسبت کسی مومن کو اطلاع دیتا ہے۔ اب اگرچہ ڈاکٹروں کے نزدیک اس کا خاتمہ نہیں مگر خدا کے نزدیک اس کا خاتمہ ہوتا ہے اور چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آ جاتا ہے۔

علم طب یونانیوں سے مسلمانوں کے ہاتھ آیا مگر مسلمان چونکہ موحد اور خدا پرست قوم تھی اُنھوں نے اسی واسطے اپنے نسخوں پر

ھوالشافی

لکھنا شروع کر دیا۔ ہم نے اطباء کے حالات پڑھے ہیں علاج الامراض میں مشکل امر تشخیص کو لکھا ہے۔ پس جو شخص تشخیص مرض میں ہی غلطی کرے گا وہ علاج میں بھی غلطی کرے گا۔ کیونکہ بعض امراض ایسے ادق اور باریک ہوتے ہیں کہ انسان اُن کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ پس مسلمان اطباء نے ایسے نسخوں کے واسطے لکھا ہے کہ دعاؤں سے کام لے۔ مریض سے سچی ہمدردی اور اخلاص کی وجہ سے اگر انسان پوری توجہ اور درد دل سے دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر مرض کی اصلیت کھول دیگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی غیب مخفی نہیں۔ پس یاد رکھو کہ خدا سے الگ ہو کر صرف اپنے علم اور تجربہ کی بنا پر جتنا بڑا دعوے کریگا۔ اتنی ہی بڑی شکست کھائے گا مسلمانوں کو توحید کا فخر ہے۔ توحید سے مراد صرف زبانی توحید کا اقرار نہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ عملی رنگ میں حقیقتاً اپنے کاروبار میں اس امر کا ثبوت دے دو کہ واقعی تم موحد ہو اور توحید ہی تمہارا شیوہ ہے۔ مسلمانوں کا ایمان ہے کہ ہر ایک امر خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس واسطے مسلمان خوشی کے وقت الحمد للہ اور غمی اور ماتم کے وقت انا للہ و انا الیہ راجعون کہہ کر ثابت کرتا ہے کہ واقع میں اسکا ہر کام میں

مرجع صرف خدا ہی ہے

جو لوگ خدا سے الگ ہو کر زندگی کا کوئی حظ اٹھانا چاہتے ہیں وہ یاد رکھیں کہ اُن کی زندگی بہت ہی تلخ ہے۔ کیونکہ حقیقی تسلی اور اطمینان بجز خدا میں محو ہونے اور خدا کو ہی ہر کام کا مرجع ہونے کے حاصل ہو سکتا ہی نہیں۔ ایسے لوگوں کی زندگی تو بہائم کی زندگی ہوتی ہے۔ اور وہ تسلی پا نہیں سکتے۔ حقیقی راحت اور تسلی انہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو خدا سے الگ نہیں ہوتے اور خدا سے ہر وقت دل ہی دل میں دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ مذہب کی صداقت اس میں ہے کہ

انسان خدا سے کسی حالت میں بھی الگ نہ ہو

وہ مذہب ہی کیا ہے اور زندگی ہی کیسی ہے کہ تمام عمر گذر جائے مگر خدا کا نام درمیان کبھی کبھی نہ آوے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ سارے نقائص صرف بے قیدی اور آزادی کی وجہ سے ہیں۔ اور یہ بے قیدی ہی ہے کہ جس کی وجہ سے مخلوق کا بہت بڑا حصہ اس طرز زندگی کو پسند کرتا ہے۔ آج ہی ایک کتاب ہم نے دیکھی ہے جس میں بدھ کی زندگی کے حالات لکھے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا کا قائل ہی نہیں تھا۔ اور کہ جو کچھ ہے یہی دنیا ہی ہے آئندہ کچھ نہیں۔ ایسے بے قید اور آزاد عقائد ہی ہیں جن کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ دنیا کا ½ یا ⅓ حصہ بدھ عقائد کا پابند ہے یا ان عقائد کو پسند کرتا ہے۔ مذہب کا دائرہ جتنا تنگ ہوگا اُتنا ہی اس میں داخل ہونے والے لوگ بھی کم ہوں گے۔ اور اتنی ہی نسبتاً

پاکیزگی اور طہارت

اس میں موجود ہوگی۔ اسلام نے شرائط پابندی ہر دو عورتوں اور مردوں کے واسطے لازم کئے ہیں۔ پردہ کرنے کا حکم جیسا کہ عورتوں کو ہے مردوں کو بھی ویسا ہی تاکیدی حکم ہے غض بصر کا۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج۔ حلال و حرام کا امتیاز۔ خدا کے احکام مقابلہ میں اپنے عادات۔ رسم و رواج کا ترک کرنا وغیرہ وغیرہ ایسی پابندیاں ہیں جن سے اسلام کا دروازہ نہایت ہی تنگ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہر ایک شخص اس دروازے میں داخل نہیں ہو سکتا۔

عیسائی باش ہرچہ خواہی کن

اور مذہب بھی ایک بے قید مذہب ہے۔ اور مسلمانوں میں بھی آج کل ان لوگوں کی دیکھا دیکھی ایک ایسا فرقہ پیدا ہوا ہے کہ وہ اسلام میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں۔ اصل میں یہ سب امور اسی بے قیدی اور آزادی کے خواہشمند لوگ سوجھتی ہیں۔ مگر یاد رکھیں کہ بے قیدی اور پاکیزگی تو نور و ظلمت کی طرح آپس میں دشمن ہیں۔

لاہور میں بھی طبائع میں قبول حق کی استعداد تو معلوم ہوتی ہے مگر بے قیدی اور آزادی ان کے رستے میں ایک سخت روک ہے۔ لکھا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک قوم مسلمان ہوئی۔ اور اُنھوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ ہمیں نماز معاف کر دی جاوے۔ مگر آپ ﷺ نے اُن کو یہی فرمایا کہ دیکھو جس مذہب میں

خدا کی عبادت نہیں وہ مذہب ہی کچھ نہیں

جب دنیا کی حالت کے اس آزاد اور بے قید حصہ پر نظر ڈالی جاتی ہے تو دل پر ایک قسم کا زلزلہ اور لرزہ وارد ہوتا ہے۔ اور خیال آتا ہے کہ حقیقت میں اصلاح کی راہ میں سے اسی پتھر کا اُٹھنا مشکل ہے۔ بجز اس کے کہ دنیا پر ایک عظیم الشان انقلاب آ جاوے جو دلوں میں خدا کی ہیبت اور ملکوت اور جبروت و جلال کا یقین پیدا کر دے۔

آج کل اگر کوئی شراب کو چھوڑ بھی دیتا ہے اور کہتا ہے کہ شراب کا استعمال ناجائز ہے اصل میں اُن کا بھی یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس کثرت سے استعمال نہ کی جاوے یا یہ کہ باہر لوگوں کے سامنے گلی بازاروں میں نہ پی جاوے۔ گھر کی چار دیواری میں جو چاہیں کریں۔ مگر اسلام نے ان سب امور کے ساتھ سچے تقوی اور حقیقی پاکیزگی کی سخت تاکیدی شرط اور خدا کی حدود میں رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔

> [اتنی تقریر کر چکنے پر چند دوستوں نے بیعت کی اور اُن کے ساتھ ہی ایک بڑے ضعیف العمر بھی تھے۔ انھوں نے عرض کی کہ حضور میرے واسطے دعا کی جاوے کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف کرے۔ ایڈیٹر]

فرمایا

سب سے اچھی بات یہ ہے کہ انسان ہر وقت اس بات کا خیال رکھے کہ عمر کا اعتبار نہیں۔ نہ معلوم کہ موت کس وقت انسان کو آن پکڑیگی اور پھر اس کے ساتھ توبہ۔ استغفار کرتا رہے۔ خدا سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہنا اور اس کی رضا کے حصول کی تڑپ دل میں پیدا کرنا اسی میں سب

دین اور دُنیا آجاتا ہے

ساری بندگیوں کا خلاصہ یہی ہے کہ انسان کے گناہ معاف ہوں اور اس سے خدا خوش ہو جاوے۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا کہ آپ کا نام کیا ہے؟ اس نے عرض کی کہ مستقیم۔ فرمایا اچھا خدا آپ کو مستقیم کرے۔ بابا مستقیم صاحب نے عرض کی کہ حضور میرا دل ہے کہ میں آپ کی کوئی خدمت کرنے کے قابل ہو سکوں۔ فرمایا۔ سب کچھ نیت میں آجاتا ہے۔ آپ کو آپ کی نیت کا ثواب مل گیا۔ آپ نے یہاں تک آنے کی جو تکلیف اٹھائی ہے اس کا بھی اجر دیا جاوے گا۔ اچھا خدا پر راضی رہو۔ اس کے بعد حضرت اقدسؑ نے پھر اس سلسلہ کلام کو شروع کر کے

فرمایا

کہ زمانہ موجودہ کے حالات کے لحاظ سے مسئلہ اصلاح کچھ بہت ہی مشکل اور پیچیدہ سا نظر آتا ہے۔ آجکل کچھ ہوا ہی اس کے خلاف چل رہی ہے۔ ہم جو امر پیش کر رہے ہیں وہ تو ایک داروئے تلخ ہے۔ یہ لوگ اپنی میٹھی عادات چھوڑ کر کڑوی دوا جب ہی استعمال کر سکتے ہیں کہ اس کی حقیقت سے ان کو پوری واقفیت اور آگاہی ہو۔ کہ واقع میں وہ مٹھائی ان کے حق میں مضر اور یہ

داروئے تلخ آب حیات

کا اثر رکھتی ہے۔ اور جب ہی کچھ فایدہ ہو سکتا ہے۔ خدا نے جو قید لگائی ہے اس میں سراسر رحمت اور کرم ہے۔ بھلا ان بے قیدیوں کا انجام ہی کیا ہے؟۔ یہی ہوتا ہے کہ شراب خوری اور فسق و فجور میں یہ لوگ غرق نظر آتے ہیں۔ اور پھر ان سے جو بد نتائج نکلتے ہیں وہ کیسے خطرناک ہیں؟ دُنیا ان کا روز نظارہ کر رہی ہے۔ لقوہ۔ فالج۔ آتشک۔ سوزاک اور بعض اوقات جذام تک نوبت پہنچتی ہے۔ اور اس طرح زندگی خطرناک مصائب میں مبتلا ہو کر خوار ہو جاتی ہے۔ چاہیئے کہ

اُس بے قیدی اور اس قید کے نتائج

کا مقابلہ کر کے تو دیکھیں۔ مگر یہ نوجوان جن کو نئی تعلیم کے مصالح لگے ہوئے ہیں سمجھتے نہیں۔ اس مصالح سے ہی ڈر آتا ہے۔

مگر پھر بھی ناامید نہیں ہونا چاہیئے۔ میں اس تجویز کا بھی مخالف نہیں جو اس گروہ کی سچی ہمدردی اور اصلاح کے واسطے کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے۔ بلکہ زور سے اس کے موافق ہوں۔ سَو میں سے ایک ہی سہی۔ ورنہ ان کے ٹھٹھا ہنسی کرنے سے ہی ہمیں اپنی محنت کا ثواب مل رہیگا۔ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کسی ایسے مجمع میں جہاں سَو پچاس آدمی جمع ہوں کوئی بات کہی جاتی ہے تو اُن میں اختلاف ضرور ہو جاتا ہے۔ اگر بعض ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں تو بعض کو اس صداقت کی سمجھ بھی آہی جاتی ہے۔ اگرچہ بہت کم

ھ وہ مضمون [illegible] ۱۹۱۰ء [illegible]

صداقت کے حصّہ میں تھوڑے ہی

آتے ہیں مگر وہ تھوڑے ہی جوانمرد ہوتے ہیں۔ کیونکہ صداقت کا قبول کرنا بھی ایک جوانمردی ہے۔ علاوہ بریں حق اور صداقت میں ایک رعب اور طاقت ہوتی ہے اس طرح سے ان کی قوت کیساتھ ایک اور قوت شامل ہو کر بہت بڑی طاقت ہو جاتی ہے۔ اور پھر ایک اور خدا کا فضل ہمارے حصہ میں یہ آیا ہے کہ ہماری طرف آنیوالے لوگ حلیم سلیم اور نیک آدمی ہی ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے گندے اشتہاروں اور ان کی خلاف تہذیب اور خارج از انسانیت تحریروں تقریروں اور گالی گلوچ دیکھکر تو ہمیں خوش ہی ہونا پڑتا ہے

ہمیں فائدہ ہی کیا ہوتا اگر یہ گندے لوگ ہم میں آشامل ہوتے

خدا نے جو ہمیں بتایا ہے اور وہ خدا کے کلام میں داخل ہے کہ میں خبیث سے طیب کو الگ کرنا چاہتا ہوں۔ اس تمیز اور تخصیص کے ذرائع بھی خود خدا نے ہی بنا دئے ہیں۔ ممکن تھا کہ یہ لوگ موت کے بھی قایل ہو جاتے اور اس طرح سے ان میں اور ہم میں کوئی اختلاف ہی نہ رہ جاتا مگر خدا جو خبیث اور طیب میں فرق کرنا چاہتا ہے۔ اس نے اپنی حکمت سے ان میں اور ہم میں کچھ ایسے اختلاف ڈال دیئے کہ ان کو ہم سے بالکل الگ ہی کر دیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ان کے پاس کوئی قوی دلیل نہیں ہے۔ مگر پھر بھی یہ غیظ و غضب میں بھر رہے ہیں اگر کہیں قرآن شریف میں حضرت مسیح کی زندگی کا لفظ صریح طور سے لکھا ہوتا یا احادیث صحیحہ سے حضرت مسیحؑ کی زندگی ثابت ہوتی جب تو ان کا حق بھی تھا کہ غیظ و غضب کرتے اور ہمیں جو دل چاہتا کہتے۔ مگر جب خود قرآن اور حدیث ہی ان لوگوں کو

دھکے دے رہے ہیں

تو پھر ان کا حق نہیں ہے کہ اس قدر جھوٹا جوش دکھاویں۔ اصل بات یہ ہے کہ اس پُر فتن زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ میل کچیل سے نکال کر ایک علیحدہ فرقہ بنا دے اور دُنیا کو دکھا دے کہ اسلام اس کو کہتے ہیں۔ حالات دو ہی قسم کے ماتحت ہوتے ہیں۔ عملی اور اعتقادی۔ مگر اس زمانہ کے مسلمانوں نے ہر دو رنگ میں اسلام کو بدنام کیا ہے۔ اسلام ہر گند سے پاک اور ہر میدان میں غالب ہے۔ مگر ہم نہیں سمجھتے کہ ان لوگوں نے جو ہتھیار اختیار کئے ہیں ان سے کبھی اسلام غالب ہو سکے۔ اسلام ایک ایسا پاک اور کامل مذہب ہے کہ اس کے کسی اعتقاد پر اعتراض ہو ہی نہیں سکتا۔ معاد کے متعلق بعض لوگوں نے اعتراض کیا تھا کہ اگر دوزخ کا خلود اور حالت کفر میں مرجانے کی سزا بھی ابدالآباد اور لا انقطاع زمانہ کے واسطے باقی جاوے تو اس طرح سے ایک ظلم لازم آتا ہے اور یہ امر خدا کے بے انتہا رحم کے برخلاف ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ دوزخ کی ابدیت

جنت کی ابدیت اور خلود کی طرح لا انقطاع نہیں ہے۔ کیونکہ جن قویٰ سے انسان ارتکاب گناہ کرتا ہے آخر ان کا خالق بھی تو خود خدا ہی ہے۔ انسان وہ قویٰ اور وہ فطرت

آخر گھر سے تو لایا نہیں

مانا کہ انسان فعل اور ترک فعل میں بعض اوقات دخل و تصرف رکھتا ہے اور خود بدی کرتا ہے مگر چونکہ خالق فطرت خدا تھا۔ اور اس نے خود فرمایا ہے کہ خلق الانسان ضعیفا۔ لہذا اس کو اس کا فایدہ بھی دیا جانا چاہیئے تھا پس گناہ کی سزا ہوگی اور عذاب ہوگا مگر وہ ابدیت وہ نہیں جس طرح خدا کی ابدیت ہے۔ ایک خاص وقت تک جہنم میں رکھکر اصلاح ہو جانے پر رہائی ہو جاوے گی۔ کوئی مانے یا نہ مانے مگر خدا کے کلام سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ جہاں بہشت کا ذکر ہے وہاں عطاءً غیر مجذوذ کا لفظ ہے۔ اور جہاں جہنم کا ذکر ہے وہاں یہ فرمایا کہ الا ماشاء ربک ان ربک فعال لما یرید۔ اِن آیات میں غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بہشتیوں کو خوف نہیں دلایا گیا مگر

دوزخیوں کو مخلصی کی امید ضرور

دلائی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر بہشت کے متعلق عطاءً غیر مجذوذ کا لفظ نہ ہوتا تو بہشت والوں کو بھی کھٹکا ہی رہتا مگر خدا نے عطاءً غیر مجذوذ کا لفظ بڑھا کر وہ کھٹکا ہی مٹا دیا کہ یہ خدا کی عطا ہے۔ جو واپس نہیں لی جاتی۔

اسلئے اس کی نسبت ہمنے ایک اور حدیث بھی دیکھی ہے جس میں لکھا ہے کہ یاتی علی جہنم زمان لیس فیہا احد و نسیم الصبا تحرک ابوابہا۔ اب دیکھو یہ کیسا پاک اصول اور عقیدہ ہے جو اسلام نے دوزخ اور بہشت کے متعلق مسلمانوں کو سکھایا ہے۔ جس میں ایک ذرہ بھر بھی ظلم نہیں اور نہایت پاک اور حق و حکمت کا اصول ہے کہ ایک خاص حد تک سزا ہوگی بعد اسکے نجات ہو جاویگی۔ کیونکہ آخر فطرتوں اور قویٰ انسانی کا خالق تو خدا ہی ہے کوئی

فطرت سلیم اور کانشنس

منظور ہی نہیں کر سکتا کہ ایک کمزور اور ناتوان انسان کے گناہ کو ایسا عظیم الشان مانا جاوے جو کبھی بخشا ہی نہ جاوے۔

دوسرا معاملہ معراج کا ہے۔ بے شک ہم بھی مانتے ہیں کہ جسم کیساتھ آپ گئے تھے۔ بیداری بھی تھی اور جسم بھی تھا۔ مگر وہ ایک اعلیٰ درجہ کی کشفی حالت تھی۔ اس دلیل کیواسطے بخاری کو دیکھ لو۔ کہ یہ سارا واقعہ لکھنے کے بعد لکھا ہوگا کہ ثم استیقظ۔ بھلا اسکے کیا معنے؟۔ دیکھو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنکو بہت حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ رہنے کا ملا تھا اور جن کا علم بھی بہت بڑا تھا اُن کی یہ روایت ہے۔ استیقظ سے یہ مراد نہیں کہ آپ نے خواب دیکھا تھا۔ بلکہ ایک قسم کی بیداری تھی۔ اور اس میں یہ بھی شعور تھا کہ مع جسم گئے یہ ایک خدا کا تصرف ہوتا ہے کہ غیبوبت حس نہیں ہو

ھ ہوتی ہے۔ یہ ایک نقطہ ہے کہ علم سے حل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ تجربہ صحیحہ اسکو حل کر سکتا ہے فلسفہ اور طبعی کا اسپر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی کوئی اعتراض کے قابل بات ہے۔ مگر بعض لوگ خود اسلام کو بگاڑتے اور ناقابل اعتراض بنا رہے ہیں۔

کلمات طیّبات حضرت امام الزمان سلمہ الرحمٰن

۱۸ مئی ۱۹۰۸ء بعد ظہر ۳½ بجے سے ۴½ بجے تک بمقام لاہور

مسٹر پروفیسر ریگ جن کا کسی پہلی اشاعت میں حضرت اقدسؑ سے ملاقات کرنا اور سوال و جواب شائع ہو چکا ہے ۱۸ مئی ۱۹۰۸ء کو پھر حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی تحریک اور وساطت سے حضرت اقدسؑ کے حضور حاضر ہوئے۔ اور خیریت حال دریافت کرنے کے بعد ذیل کا سوال و جواب ہوا۔

سوال

آپ کا کیا عقیدہ ہے خدا محدود ہے یا کہ ہر جگہ حاضر ناظر اور ہم میں کوئی شخصیت یا جذبات پائے جاتے ہیں۔

جواب

ہم خدا کو محدود نہیں سمجھتے اور نہ ہی خدا محدود ہو سکتا ہے ہم خدا کی نسبت یہ جانتے ہیں کہ جیسا وہ آسمان پر ہے ویسا ہی زمین پر بھی ہے۔ اس کے دو قسم کے تعلق پائے جاتے ہیں۔ ایک عام تعلق جو عام مخلوق کے ساتھ ہے۔ اور ایک دوسرا خاص تعلق جو ان خاص بندوں کے ساتھ ہوتا ہے جو اپنے آپ کو پاک کر کے اس کی محبت میں ترقی کرتے ہیں۔ تب وہ ان سے ایسا قریب ہو جاتا ہے جیسا کہ ان کے اندر ہی سے بولتا ہے۔ یہ اس میں ایک عجیب بات ہے کہ باوجود دور ہونے کے وہ نزدیک ہے۔ اور باوجود نزدیک ہونے کے وہ دور ہے۔ وہ بہت ہی قریب ہے مگر پھر بھی نہیں کہہ سکتے کہ جس طرح ایک جسم دوسرے جسم سے قریب ہوتا ہے اور وہ سب سے اوپر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ اس کے نیچے کوئی چیز بھی ہے۔ وہ سب چیزوں سے زیادہ ظاہر ہے مگر پھر بھی وہ عمیق در عمیق ہے۔ جس قدر انسان سچی پاکیزگی حاصل کرتا ہے اسی قدر اس کے وجود پر اس کو اطلاع ہوتی ہے۔

فرمایا

جذبات سے مراد غالباً ان کی یہ ہے کہ خدا نے انسان کے ذمہ شریعت کا بوجھ کیوں ڈال رکھا ہے اور حلال و حرام کی پابندی میں اسے کیوں قید کر رکھا ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نہایت درجہ قدوس ہے۔ وہ اپنی تقدیس کی وجہ سے ناپاکی کو پسند نہیں کرتا اور چونکہ وہ رحیم کریم ہے اس واسطے نہیں چاہتا کہ انسان ایسی راہوں پر چلے جن میں اس کی ہلاکت ہو۔ پس یہ اس کے جذبات ہیں۔ جن کی بنا پر مذہب کا سلسلہ جاری ہے۔ اب ان کا نام خواہ آپ کچھ ہی رکھ لو

سوال

کیا خدا کی کوئی شکل ہے؟

جواب

جب وہ محدود ہی نہیں تو شکل کیسی!

سوال

جب خدا محبت ہے۔ عدل ہے۔ انصاف ہے تو کیا وجہ کہ نظامِ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے بعض چیزوں کو بعض کی خوراک بنا دیا ہے۔ اگر محبت اور عدل یا انصاف و رحم اس کے ذاتی خاصے ہیں تو کیا وجہ کہ اس نے مخلوق میں سے بعض میں ایسی کیفیت اور قویٰ رکھ دیئے ہیں کہ وہ دوسروں کو کھا جائیں۔ حالانکہ مخلوق ہونے میں دونو برابر ہیں؟

جواب

جب محبت کا لفظ خدا کی نسبت بولا جاتا ہے تو اس کو انسانی محبت پر قیاس کر لینا بڑی بھاری غلطی ہے محبت کا لفظ جس طرح انسانوں میں اطلاق پاتا ہے اور جو مفہوم اس کا انسانی تعلقات کی حیثیت میں سمجھا جاتا ہے وہ ہرگز ہرگز خدا پر اطلاق نہیں پا سکتا۔ اور نہ ہی وہ معنے اور مراد خدا پر صادق آتے ہیں۔ انسان میں محبت اور غضب کی قوت ہے مگر جو مفہوم ان کا انسان کے متعلق بولتے وقت ہمارے ذہن میں آتا ہے وہ خدا پر ہرگز ہرگز اطلاق نہیں پا سکتا۔ یہ غلطی ہے فطرت انسانی میں یہ رکھا گیا ہے کہ جب کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کے فراق سے اس کو صدمہ بھی پہنچتا ہے۔ ماں اپنے بچے سے محبت کرتی ہے مگر اگر اس کا بچہ اس سے جدا ہو جاوے تو اس کو کیا صدمہ ہوتا ہے اور کتنا دکھ اور رنج پہنچتا ہے۔ اسی طرح سے جو شخص کسی دوسرے پر غضب کرتا ہے اول وہ خود اپنے آپ میں اس کا صدمہ اور اثر پاتا ہے۔ گویا دوسرے کو سزا دینے کے ساتھ ہی خود اپنی جان کو بھی سزا دیتا ہے۔ غضب ایک دکھ ہے جس کا اثر پہلے اپنی ہی ذات پر پڑتا ہے۔ اور ایک قسم کی تلخی پیدا ہو کر طبیعت میں سے راحت اور چین نکل جاتا ہے۔ مگر خدا ان باتوں سے پاک ہے۔

پس اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے

کہ ان الفاظ کا اطلاق اس رنگ میں جس رنگ میں ہم انسان پر کرتے ہیں اور جو مفہوم ان کا انسانی تعلق میں ہو سکتا ہے اس رنگ میں خدا پر نہیں بول سکتے۔ اور نہ ہی وہ خدا پر صادق آتے ہیں۔ اسی واسطے ہم ان الفاظ کو پسند نہیں کرتے۔ یہ ان لوگوں کا بنایا ہوا لفظ ہے جو خدا کو محض انسانی حالت پر قیاس کرتے ہیں۔

وہ پاک ذات ہے۔ جو اس کی رضا کے موافق چلتا ہے اس سے اس کا تعلق زیادہ سے زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ ہاں البتہ استعارہ کے رنگ میں محبت اور غضب کا لفظ خدا کے لئے بھی بولا جا سکتا ہے۔ پس یاد رکھو کہ یہ ایک دنیا کا کارخانہ ہے جس کے واسطے خدا تعالیٰ نے اپنی کامل حکمت سے موجودہ نظام مقرر فرمایا ہے۔ اور یہ اسی نظام کے ماتحت اس طرح سے چل رہا ہے۔ البتہ اس کے واسطے یہ الفاظ موزون نہیں ہیں محبت کا لفظ ایک درد اور گداز رکھتا ہے۔ اگر فرض بھی کر لیں کہ خدا محبت ہے اور اس کی صفت غضب بھی ہے (انسانی حالت کے خیال سے) تو پھر ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ خدا کو بھی ایک قسم کی تکلیف اور رنج و دکھ ہوتا ہے مگر یاد رکھو ایسے ناقص الفاظ خدا کی طرف منسوب نہیں کئے جا سکتے۔

سوال

یہ تو میں نے سمجھ لیا ہے مگر میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ خدا نے یہ خاصہ کیوں رکھ دیا کہ ادنےٰ اعلیٰ کا خادم ہو یا اس کی خوراک بنے۔ اور اس کے سامنے ذلیل رہے؟

جواب

ہم نے تو ابھی بیان کیا ہے کہ خدا کے صفات محبت رحم اور غضب کی تشریح ہم اس طور سے نہیں کر سکتے جیسا کہ انسانوں میں یہ صفات ہیں۔ انسانی حالت پر خدا کا قیاس کرنا سخت غلطی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا ایک وسیع نظام ہے جو اس نے اسی طرح بنایا ہے۔ اس نظام میں انسان اپنی حد سے زیادہ دست اندازی نہیں کر سکتا اور یہ مناسب نہیں کہ دقیق در دقیق مصالح خدائی میں دخل دے کر ہر بات میں ایک سوال پیدا کر لے۔ یہ عالم ایک مختصر عالم ہے۔ اس کے بعد خدا نے ایک وسیع عالم رکھا ہے۔ جس میں اس نے ارادہ اور وعدہ کیا ہے کہ سچی اور ابدی خوشحالی دی جاوے گی۔ ہر دکھ جو اس جہان میں ہے اس کا تدارک اور تلافی دوسرے عالم میں کر دی جاوے گی۔ جو کمی اس جہان میں پائی جاتی ہے وہ آئندہ عالم میں پوری کر دی جاوے گی۔

باقی رہا دکھ اور تکلیف و رنج و محن پر تو ادنےٰ و اعلیٰ کو یکساں برداشت کرنا پڑتا ہے اور یہ اس نظام عالم کے قیام کے واسطے لازمی اور ضروری تھے۔ اگر وسیع نظر سے دیکھا جاوے تو کوئی بھی دکھ سے خالی نہیں ہر مخلوق کو علیٰ قدر مراتب اس میں سے حصہ لینا ہی پڑتا

ہے۔ البتہ کسی کو کسی رنگ میں ہے اور کسی کو کسی رنگ میں اگر باز چڑیوں وغیرہ اور پرندوں کو کھاتا ہے تو شیر، چیتے اور بھیڑیے انسان کے بچوں کو بھی کھا جاتے ہیں۔ سانپ بچھو وغیرہ بھی ستاتے ہیں۔ غرض یہ سلسلہ تو اس طرح سے چل رہا ہے۔ اس سے خالی کوئی بھی نہیں۔ البتہ ان کی تلافی اور تدارک کے واسطے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرا عالم رکھا ہے۔ اسی واسطے تو قرآن شریف میں اس کا نام مالک یوم الدین بھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ انسان خوشحال ہو مگر ممکن ہے کہ پرند۔ چرند اس سے بھی زیادہ خوشحال ہوں۔ یہ دنیا ایک عالم امتحان ہے اس کے حل کرنے کے واسطے دوسرا عالم ہے۔ اس دنیا میں جو تکالیف رکھی ہیں اس کا وعدہ ہے کہ آئندہ عالم میں خوشی دے گا۔ اگر اب بھی کوئی کہے کہ کیوں ایسا کیا اور ایسا نہ کیا؟ اس کا یہ جواب ہے کہ وہ متحکم اور مالکیت بھی تو رکھتا ہے۔ اُس نے جیسا چاہا کیا۔ کسی کو اس کے اس کام پر اعتراض کی گنجائش اور حق نہیں۔

دوسری بات جو قابل غور ہے یہ ہے

کہ چونکہ تکالیف انسانی تکالیف حیوانی سے بڑھی ہوئی ہیں اسی واسطے آئندہ انسانی اجر بھی حیوانی اجر سے بڑھا ہوا ہوگا۔ تکالیف انسانی دو قسم کی ہیں ایک تکالیف شرعیہ۔ دوسری تکالیف قضا و قدر۔ تکالیف قضا و قدر میں انسان و حیوان مشترک اور قریباً برابر ہیں۔ اگر انسان کے ہاتھ سے حیوان مرتے ہیں تو حیوانوں کے ہاتھ سے آخر انسان بھی تو مرتے ہیں۔ اسی طرح اور اور تکالیف میں بھی ان کا آپس میں ایک قسم کا اشتراک پایا جاتا ہے۔

باقی تکالیف شرعیہ میں انسان کے ساتھ حیوانات کا کوئی اشتراک نہیں ہے۔ احکام شرعیہ بھی ایک قسم کی چھری ہے جو انسانی گردن پر چلتی ہے۔ مگر حیوان اس سے بری الذمہ ہیں۔ امور شرعیہ بھی ایک موت ہیں جو انسان کو اپنے اوپر وارد کرنی پڑتی ہے۔ پس اس طرح سے ان باتوں کو یکجائی طور سے دیکھنے سے صاف معلوم ہوگا کہ تکالیف انسانی تکالیف حیوانی سے بہت بڑھی ہوئی ہیں۔

تیسری بات جو قابل یاد ہے یہ ہے

کہ انسانی حواس میں بہت تیزی ہے۔ انسان میں قوت احساس زیادہ پائی جاتی ہے۔ حیوانات یا نباتات اس کے مقابلے میں بہت کم احساس رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حیوانات کو اتنی عقل بھی نہیں دی گئی۔ عقل سے ہی شعور پیدا ہوتا ہے۔ حیوانات میں چونکہ عقل اور شعور بہت کم درجہ کا ہوتا ہے اسی واسطے ایک قسم کی مستی کی حالت میں رہتے ہیں۔ احساس کا مسئلہ زیادہ تر انسان ہی کیا پایا جاتا ہے۔ حیوانات میں یہ قوتیں ایسے کم درجے کے ہیں کہ گویا نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پس حیوانات ان تکالیف کا بہت کم احساس کرتے ہیں اور ممکن ہے کہ بعض اوقات بالکل ہی نہ کرتے ہوں۔ اب جائے غور ہے کہ دنیا میں ان تکالیف کا بوجھ کس پر زیادہ ہے آیا انسان پر یا حیوان پر؟ صاف ظاہر ہے کہ انسان ہی کو ان مشکلات دنیوی میں بہ نسبت حیوانات کے زیادہ حصہ لینا پڑتا ہے

سوال

آپ نے جو کچھ بیان فرمایا میں نے سمجھ لیا۔ اب یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ حیوانات کو بھی آئندہ عالم میں کوئی بدلہ دیا جاوے گا؟

جواب

فرمایا۔ ہاں۔ ہم مانتے ہیں کہ علیٰ قدر مراتب سب کو ان کے تکالیف دنیوی کا بدلہ دیا جاوے گا۔ اور ان کے دکھوں اور تکالیف کی تلافی کی جاوے گی۔

سوال

تو پھر اس کا یہ لازمی نتیجہ ہوگا کہ وہ حیوانات جن کو ہم مارتے ہیں اُن کو مردہ نہیں بلکہ زندہ یقین کریں؟

جواب

فرمایا کہ ہاں یہ ضروری بات ہے۔ وہ فنا نہیں ہوئے ان کی روح باقی ہے وہ حقیقتاً نہیں مرے بلکہ وہ بھی زندہ ہیں۔

سوال

بائبل میں لکھا ہے کہ آدم یا یوں کہئے کہ پہلا انسان جیحون سیحون میں پیدا ہوا تھا اور اس کا وہی ملک تھا۔ تو پھر کیا یہ لوگ جو دنیا کے مختلف حصوں امریکہ۔ آسٹریلیا وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔ یہ اُس آدم کی اولاد سے ہیں۔

جواب

فرمایا ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں۔ اور نہ ہی اس مسئلہ میں ہم توریت کی پیروی کرتے ہیں۔ کہ چھ سات ہزار سال سے ہی جب سے یہ آدم پیدا ہوا تھا اس دنیا کا آغاز ہوا ہے اور اس سے پہلے کچھ بھی نہ تھا اور خدا گویا معطل تھا۔ اور نہ ہی ہم اس بات کے مدعی ہیں کہ یہ تمام نسل انسانی جو اس وقت دنیا کے مختلف حصوں میں موجود ہے یہ اسی آخری آدم کی نسل ہے۔ ہم تو اس آدم سے پہلے بھی نسل انسانی کے قائل ہیں جیسا کہ قرآن شریف کے الفاظ سے پتہ لگتا ہے۔ خدا نے یہ فرمایا کہ انی جاعل فی الارض خلیفۃ۔ خلیفہ کہتے ہیں جانشین کو۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آدم سے پہلے بھی مخلوق موجود تھی۔ پس امریکہ اور آسٹریلیا وغیرہ کے لوگوں کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اس آخری آدم کی اولاد میں سے ہیں یا کہ کسی دوسرے آدم کی اولاد میں سے ہیں۔

آپ کے سوال کے مناسب حال ایک قول **حضرت محی الدین ابن عربی صاحب کا ہے** وہ لکھتے ہیں کہ میں حج کرنے کے واسطے گیا تو وہاں مجھے ایک شخص ملا جس کو میں نے خیال کیا کہ وہ آدم ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تو ہی آدم ہے؟ اس پر اُس نے جواب دیا کہ تم کون سے آدم کے متعلق سوال کرتے ہو؟ آدم تو ہزاروں گذر چکے ہیں!

سوال

کیا حضور مسئلہ ارتقاء کے قائل ہیں۔ یعنی یہ کہ انسان نے ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت میں ترقی کی ہے۔ پہلے سانپ بچھو وغیرہ سے ترقی کرتے کرتے بندر بنا اور بندر سے انسان بنا۔ اور روح کس وقت پیدا ہوئی؟

جواب

فرمایا ہمارا یہ مذہب نہیں کہ انسان کسی وقت بندر تھا۔ مگر آہستہ آہستہ دُم بھی کٹ گئی۔ اور ریشم بھی جاتی رہی اور ترقی کرتے کرتے انسان بن گیا۔ یہ ایک دعوےٰ ہے جس کا بار ثبوت اس دعوے کے مدعی کے ذمے ہے چاہیے کہ کوئی ایسا بندر پیش کیا جاوے جو آہستہ آہستہ ترقی کرتے کرتے انسانی حالت میں آجاوے۔ ہم ایسے بے دلیل قصے کہانیوں پر کیوں کر ایمان لا سکتے ہیں۔ البتہ یہ تو ہم مانتے ہیں کہ آدم بہت سے گذرے ہیں مگر موجودہ حالات کے ماتحت جو ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ انسان سے انسان پیدا ہوتا ہے۔ بندر سے انسان یا انسان سے بندر کبھی کسی نے پیدا ہوتا نہیں دیکھا ہوگا۔ یہ تو ایک ناولوں کا قصہ ہے۔ ہمیشہ نوع سے نوع ہی پیدا ہوتی ہے۔ خدا نے اپنا قانون ہماری آنکھوں کے سامنے رکھا ہوا ہے کہ گدھے سے گدھا۔ اور گھوڑی سے گھوڑا۔ بندر سے بندر پیدا ہوتا ہے۔ اب اس کے خلاف جو کوئی دعوےٰ کرتا ہے کہ بندر سے انسان بھی پیدا ہوتا ہے اس کو اپنے دعوے کی دلیل بھی پیش کرنی چاہیے۔ یہ کہہ دینا کہ شاید ایسا ہو گیا ہو۔ شاید کے کیا معنے۔ ہمارے سامنے تو اللہ تعالیٰ نے ایک مشاہدہ دلیل کے طور سے رکھا ہوا ہے اس کے خلاف کہنے والوں کو کوئی بیّن دلیل پیش کرنی چاہیے ورنہ ظنی باتوں اور صرف دعووں سے کوئی امر ثابت نہیں ہو سکتا۔

روح ایک مخلوق چیز ہے۔ اسی عنصری مادہ سے

خدا سے بھی پیدا کرتا ہے (جیسا کہ مفصل طور سے اس امر کو ہم نے اس تازہ تصنیف کتاب **چشمہ معرفت** میں بیان کیا ہے)۔ روح انسانی باریک اور مخفی طور سے نطفہ انسانی میں ہی موجود ہوتی ہے۔ اور وہ بھی نطفہ کے ساتھ ساتھ ہی آہستگی سے نشو و نما کرتی اور ترقی پاتی پاتی چوتھے مہینے کے انجام اور پانچویں مہینے کے ابتدا میں ایک بیّن تغیر اور نشو و نما پا کر ظہور پذیر ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنی پاک کلام میں فرماتا ہے کہ ثم انشأناہ خلقاً آخر۔

یہ درست نہیں جیسا کہ آریہ بتاتے ہیں کہ روح بھی خدا کی طرح ازلی ابدی ہے۔ اس اعتقاد پر اتنے شبہات پڑتے ہیں کہ پھر خدا خدا ہی نہیں رہتا۔ روح ایک لطیف جوہر ہوتا ہے جو مخفی طور سے انسان کی پیدائش کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتا اور نشو و نما پاتا ہے۔ مثال کے طور ایک گولر کے پھل کو لو۔ جب وہ کچا ہوگا تو اس میں ایک قسم کے ناکمل حالت میں زندہ جانور پائے جاویں گے مگر جونہی کہ وہ پک کر تیار ہوگا اُس میں سے جانور چلتے پھرتے نظر آویں گے اور یہاں تک کہ پر لگ کر اُڑنے بھی لگ جاویں گے۔ اس کے سوا اور بھی کئی درختوں کے پھل ہیں جن میں اس قسم کے مشاہدات پائے جاتے ہیں۔ غرض ہمارے پاس تو ہمارے دعوے کا ثبوت ہے۔ ثابتہ سچائی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اصل میں ان پھلوں میں ایک قسم کا مادہ اندر ہی اندر موجود ہوتا۔ جو پھل کے نشو و نما کے ساتھ ساتھ نشو و نما کرتا اور ترقی پاتا ہے۔

سوال

سپرچولزم والوں کی رائے ہے کہ زندگی چاند سے اُتری۔ اور عقل مشتری سے۔ اور چاند زمین سے بنا۔ ابتدا میں زمین بہت نرم تھی۔ زمین کا ایک ٹکڑا اُڑ کر آسمان پر چلا گیا۔ اور وہ چاند بن گیا۔ اصل میں زندگی زمین ہی سے نکلی زمین سے چاند میں گئی اور چاند سے پھر انسان میں اُترتی ہے۔ اس میں آپ کا اعتقاد کیا ہے؟۔

جواب

فرمایا۔ چاند۔ سورج اور اور سیاروں کی تاثیرات کے ہم قائل ہیں۔ ان سے انسان فائدہ اُٹھاتا ہے اور بچہ جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اُس وقت بھی ان کی تاثیرات کا اثر بچے پر ہوتا ہے۔ یہ امر شریعت کے خلاف نہیں۔ اسی واسطے ہمیں ان کے ماننے میں عذر نہیں۔ نباتات میں چاند کی روشنی کا اثر بیّن طور سے ظاہر ہے۔ چاند کی روشنی سے پھل موٹے ہوتے ہیں۔ ان میں شیرینی پیدا ہوتی ہے۔ اور بعض بعض لوگوں نے اناروں کے پھٹنے کی آواز تک بھی سنی ہے جو چاند کی روشنی کے اثر سے پھٹتے ہیں۔ اس سے زیادہ جو حصہ پیچیدہ اور ثابت شدہ نہیں اُس کے ماننے کے واسطے ہم تیار نہیں ہیں۔ قرآن شریف میں صاف بیان کیا گیا ہے کہ چاند سورج اور تمام سیارے انسان کے خادم اور مفید مطلب ہیں۔ اور ان میں انسانی فوائد مرکوز ہیں۔ پس ہم اس بات کے ماننے میں کوئی حرج نہیں پاتے کہ جس طرح نباتات سے ہمیں فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح ان تمام سیاروں سے بھی ہم فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اب اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ عقل کو مشتری سے تعلق ہے تو اس کے ماننے کے واسطے بھی ہم تیار ہیں۔

اثناء گفتگو میں پروفیسر موصوف نے عرض کیا کہ میں تو خیال کرتا تھا کہ سائنس اور مذہب میں بڑا تضاد ہے جیسا کہ عام طور سے علماء میں مانا گیا ہے۔ مگر آپ نے تو اس تضاد کو بالکل اُٹھا دیا ہے۔

فرمایا

یہی تو ہمارا کام ہے اور یہی تو ہم ثابت کر رہے ہیں کہ سائنس اور مذہب میں بالکل اختلاف نہیں بلکہ مذہب بالکل سائنس کے مطابق ہے۔ اور سائنس خواہ کتنی ہی عروج پکڑ جاوے مگر قرآن کی تعلیم اور اصول اسلام کو ہرگز نہیں جھٹلا سکے گی۔

سوال

مکھیوں یا اور اس قسم کے جانوروں میں جو چیز پائی جاتی ہے اس کو کس نام سے تعبیر کیا جاوے گا؟

جواب

روح تین قسم کی ہوتی ہے۔ روح نباتی۔ روح حیوانی۔ روح انسانی۔ ان تینوں کو ہم برابر نہیں مانتے۔ ان میں سے حقیقی زندگی کی وارث اور جامع کمالات صرف انسانی روح ہے۔ باقی حیوانی اور نباتی روح میں بھی ایک قسم کی زندگی ہے۔ مگر وہ انسانی روح کی برابری نہیں کر سکتی۔ نہ ویسے مدارج حاصل کر سکتی ہے۔ نہ کمالات میں انسانی روح کی برابری کر سکتی ہے۔ کچھ تشابہ ہو تو اس باریک بحث میں ہم پڑنا مناسب نہیں سمجھتے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض خاص خاص صفات میں یہ روحیں انسانی روح سے مشابہت رکھتی ہوں۔ مگر جس طرح انسان میں اور ان میں ظاہری اختلاف اور فرق ہے اس طرح اختلاف روحانی بھی پایا جاتا ہے۔

بلکہ یہاں تک بھی مانا گیا ہے کہ بعض نباتات میں بھی ایک قسم کا شعور پایا جاتا ہے۔ ایک بانس کا درخت گھر کی چھت کے نیچے لگایا جاوے۔ مگر جب بڑھتے بڑھتے وہ چھت سے قریب ایک بالشت کے رہ جاوے گا تو وہ اپنا رخ بدل لیگا۔ اور دوسری طرف کو بڑھنا شروع کر دے گا۔ ایک اور قسم کی نباتی بوٹی ہے جس کو پنجاب میں **چھوئی موئی** کہتے ہیں۔ وہ انسان کا ہاتھ لگتے ہی سمٹ کر اکٹھی ہو جاتی ہے۔ یہ باتیں پرانی اچھی اچھی طبیعات کی کتابوں میں لکھی ہیں اور نیز تجربہ سے بھی ثابت ہیں۔ مگر ان کے پیچھے بہت زیادہ نہ پڑنا چاہیے۔ وہ شعر کیا ہی موزوں ہے کہ

تو کار زمیں را نکو ساختی کہ با آسمان نیز پرداختی

ان کے دقیق در دقیق مباحثات میں پڑ کر ان کی تفصیلات کی جستجو میں وقت ضائع کرنا ٹھیک نہیں۔

سوال

میں ایک روز گرجا میں گیا تھا وہاں پادری صاحب نے لیکچر میں بیان کیا کہ "انسان ایک بالکل ذلیل ہستی ہے۔ اور گندہ کیڑا ہے۔ یہ روز بروز نیچے ہی نیچے گرتا ہے۔ اور ترقی کے قابل ہی نہیں اسی واسطے اس کی نجات اور گناہ سے بچانے کے واسطے خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو کفارہ کیا۔" مگر میں جانتا ہوں کہ انسان نیکی میں ترقی کر سکتا ہے میرا یہ بچہ اس وقت اگر بے علمی کی وجہ سے کوئی حرکت ناجائز کرے تو پھر ایک عرصہ بعد جب اسے عقل آوے گی۔ اور اس کا علم ترقی کرے گا تو یہ خود بخود سمجھ لیگا کہ یہ کام بُرا ہے اس سے پرہیز کرکے اچھے کام کرے گا۔

حضور کا اس میں کیا اعتقاد ہے۔

جواب

فرمایا۔ انسان نیک ہے۔ نیکی کر سکتا ہے۔ اور ترقی کرنے کے قویٰ اس کو دیئے گئے ہیں۔ نیکی میں ترقی کرکے انسان نجات پا سکتا ہے۔

سوال

یہ لوگ کہتے ہیں کہ انسان لاکھ نیکی کرے مگر وہ برباد ہے بجز اس کے کہ کفارہ مسیح پر ایمان لاوے۔ آپ اس میں کیا فرماتے ہیں؟

انسان کو عمل اور کوشش کی ضرورت ہے کفارہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ جیسا جسمانی نظام ہے ویسا ہی روحانی نظام ہے۔ نظام جسمانی میں ایک کاشتکار کی مثال ہی کو لے لو۔ وہ کس محنت سے قلبہ رانی کرتا ہے اور بیج بونا اور پانی دینے وغیرہ کی محنت برداشت کرتا ہے۔ کیا اسے کسی کفارہ کی ضرورت ہے؟ نہیں۔ بلکہ اسے محنت اور عمل کی ضرورت ہے۔ اس بات کو ہم ماننے ہی نہیں

کہ بجز کفارہ کے کوئی راہ نجات ہی نہیں۔ کفارہ تو بلکہ انسانی ترقیات کی راہ میں ایک روک اور پتھر ہے

سوال

پاکیزگی سے یہ مراد ہے کہ انسان کو جو اس کے جذبات نفسانیہ خدا سے روگرداں کر کے اپنے خواہشات میں محو کرنا چاہتے ہیں اُن کا مغلوب نہ ہو۔ اور کوشش کرے کہ خدا کی مرضی کے موافق اس کی رفتار ہو یہاں تک کہ اس کا کوئی قول فعل خدا کی رضامندی کے بغیر سرزد ہی نہ ہو۔ خدا قدوس اور پاک ہے۔ وہ اپنے صفات کے مطابق ہی انسان کو بھی چلانا چاہتا ہے۔ وہ رحیم ہے انسان سے بھی رحم چاہتا ہے۔ وہ کریم ہے انسان سے بھی کرم چاہتا ہے۔ خدا کے صفات خدا کے قانون قدرت میں ظاہر ہیں۔ جسمانی طور سے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا بدتہا کے دراز سے چلی آتی ہے۔ ان کو اناج۔ پانی۔ لباس روشنی وغیرہ تمام حوائج ضروریہ اور لازم انسانیہ ہمیشہ سے بہم پہنچایا چلا آیا ہے۔ اور ہمیشہ ہی اس کے رحم اور کرم کے صفات اور سماوِ حسنہ کے تقاضے ساتھ ساتھ مخلوق کی دستگیری کرتے چلے آئے ہیں۔ پس غرض یہ ہے کہ خدا انسان کو اپنے صفات کے رنگ میں رنگین کرنا چاہتا ہے۔

اس کے بعد پروفیسر اور لیڈی نے حضرت اقدس کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہم مشکور ہیں کہ آپ نے گفتگو کی عزت بخشی اور ہمارے معلومات میں ایک مفید اضافہ فرمایا۔ اور ہمارا وقت بہت اچھی طرح سے گذرا۔

فاضل امروہی کی ایک تحریر

اصل مضمون حضرت مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی ثم قادیانی نے زبان عربی میں لکھا تھا۔ جو اخبار بدر میں شائع ہوگا۔ اصل مضمون کا ترجمہ حضرت مولانا نے الحکم میں شائع کرنے کے واسطے روانہ فرمایا۔ جو ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ ایڈیٹر

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حامداً و مصلیاً

حضرتنا امیر تمام جماعت مومنین کے اور حکمت نظری و عملی سے کام لینے والے مولانا نورالدین صاحب السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ بعض امور خارجیہ اور نیز خاکسار کا جوش قلبی سر دو محرک ہوئے ہیں کہ ان چند سطور کو میں اخبارات میں شائع کر دوں۔ اور وہ سطور یہ ہیں کہ میرا اعتقاد آپ کی جناب عالی میں اول بعث و بیعت حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے یہ ہے کہ بے شک آپ حضرت کے ساتھ بڑی الفت اور اُنس رکھنے والے ہیں گویا کہ مجسم الفت اور اُن کے انیس تھے۔ اکثر مشوروں اور دینی معارف اور یقینی اسرار میں بمنزلہ اُن کے قلب مبارک کے تھے۔ جماعت احمدیہ میں وہ بارہ اخلاص و ایمان آپ سب سے زیادہ بڑھ کر ہیں آپ کا یقین و عرفان سب سے زیادہ بڑھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کا خوف آپ کو سب سے زیادہ تر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے جو علماء ربانی ہیں وہی زیادہ تر اُس سے خوف کرتے ہیں معہذا آپ کو ماسوی اللہ سے کمال درجہ بیزاری اور بے پروائی بھی سب سے زیادہ ہے۔ امام ہمام نے اپنی کتابوں میں آپ کے مناقب سب سے زیادہ بیان فرمائے ہیں۔ اس لئے آپ کا مرتبہ سب سے زیادہ تر ہے آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کی تصدیق اُس وقت میں کی جس وقت تمام آدمیوں نے تکذیب کی تھی۔ اس لئے میں اعتقاد رکھتا ہوں کہ آپ صدیق ثانی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ والذی جاء بالصدق وصدق به اول جملہ کے مصداق حضرت مسیح موعود تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچی باتیں اور سچے الہامات لائے تھے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی موت طبعی سے وفات دے دی۔ جیسا کہ براہین احمدیہ میں یہ الہام موجود ہے یا عیسیٰ انی متوفیک الایۃ یعنی اے عیسیٰ اگرچہ تمام لوگ تیرے قتل کرنے اور ہلاک کرنے میں بہت کوشش کریں گے مگر میں تجھکو موت طبعی سے وفات دوں گا اور تمام اُن عیوب سے جو منکرین تجھے لگاتے ہیں میں تجھکو اُن سے پاک و صاف کروں گا اور جو لوگ جماعت کے تیری پیروی اور اتباع کرینگے میں انکو منکرین پر قیامت تک غالب اور فائق رکھوں گا۔ پس اس وقت تم ہی اولیٰ مصداق صدق بہ کے ہو اور بمنزلہ حضرت صدیق اکبر اللہ تعالیٰ کے دین اور جماعت احمدیہ میں اُس کے نائب ہوئے ہیں اس لئے صدق دلی اور اخلاص قلبی سے واسطے تائید کرنے دین اسلام کے بقدر اپنی طاقت اور بس کے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اگرچہ بعض ضعیف الایمان کے خلاف ہو اور اول امر سے میرے قلب کو کوئی تردد اس بات کا واقع نہیں ہوا۔ بجز اس کے کہ بعض آیات کی تفاسیر جواب کرنے میں میری سمجھ میں نہیں آئیں۔ اور فوراً اسی وقت کہ حضرت مسیح موعود کو اللہ تعالیٰ نے یہاں کے رفیقوں سے علیحدہ کر کر ملا اعلیٰ کی رفاقت میں پہنچا دیا میں اُسی وقت مکرر آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آپ ہمارے صدیق ہیں اور ہم آپ کی تابع ہیں ہاں آپ جو بعض آیات کی تفسیر الہی فرماتے ہیں جو میری سمجھ میں نہیں آئیں۔ یہ تو اپنا اپنا مذاق ہے جو زمانہ حال کے موافق آپ کے مذاق میں تفسیر آ جاتا ہے یہ امر دوسرا ہے۔ اور اس سبب سے علیحدہ یہ چند سطریں میں نے اس لئے شائع کیں ہیں کہ بعض بھی لوگ میرے قلب کی حالت کو مخالف اس تحریر کے گمان نہ کریں کلا و حاشا۔ اس لئے اب آپ کو ضروری ہے کہ ہم سب مومنین جماعت کے لئے آپ کے بوجھ اٹھانے سے ہم سب عاجز ہیں۔ اسپر بھی جو کوئی اس بیعت اطاعت سے پھر جائیگا۔ اللہ تعالیٰ کے دین اور جس بات کو کہ مسیح موعود لائے تھے کچھ ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔ اور جو کوئی اس نعمت کا شکریہ کرے گا کہ اپنے بوجھ کو اُٹھایا بجا لا دے گا۔ اور آپ کی نصرت میں ہمہ تن متوجہ ہو جاوے گا اللہ تعالیٰ اُس کو دین و دنیا میں جزائے احسن عطا فرماوے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ دین کی تائید میں بحول اللہ و قوتہ میں آپ کا فرمانبردار ہوں اللہ تعالیٰ اپنی نصرت کے ساتھ آپ کی تائید کرے۔ اور آپ کے سینہ مبارک کو اپنے انوار سے روشن اور منور کرے۔ اور میں یہ بھی امید رکھتا ہوں۔ کہ جماعت میں سے کوئی شخص اس بارہ میں آپ پر کسی طرح کی نکتہ چینی یا عیب گیری نہیں کریگا۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود کی وفات انبیاء اولوالعزم سے نہایت درجہ مشابہت ہے۔ کہ انشاء اللہ تعالیٰ ایک رسالہ وفات الانبیاء کے بارہ میں لکھوں گا۔ تاکہ لوگوں پر واضح ہو جاوے کہ جس شان کذائی سے حضرت مسیح موعود کی وفات واقع ہوئی ہے (کہ چند امور منتظر الوقوع رہی اور آپ کی وفات ہو گئی) اسی طرح سے اس وفات کا وقوع میں آنا ضروری تھا تاکہ حضرت مسیح موعود کی مماثلت دیگر انبیاء کے ساتھ ثابت رہے اور اس وفات کذائی سے واقع ہونا انکی وفات کا آپ کی صداقت دعاوی اور صداقت ماموریت کی دلیل ہو جیسا کہ الہامات الوصیت وغیرہ میں مندرج ہو چکا ہے دیکھو جری اللہ فی حلل الانبیاء وغیرہ وغیرہ الہامات کو اور سوائے اس کے اور بہت سے الہامات ہیں میں نے آپ کو اس لئے اطلاع کی ہے کہ آپ دعا کریں کہ اس رسالہ کی تحریر میں اللہ تعالیٰ میری تائید کرے (۲۴ مئی سنہ ۱۹۰۸ء روز چہارشنبہ سید محمد احسن)

الحکم دس ہزار چھپے گا

ہو درد قوم دل میں سودا یہی ہو سر میں
یہ زندگی بسر ہو اپنی اسی لگن میں

ایک عرصہ سے میں نے چھوڑ دیا ہے کہ الحکم کے متعلق کسی قسم کی تحریک کروں یا اس کی اعانت کے لئے اپیل اسے میری غفلت کہو یا بے پروائی سمجھو۔ مگر اصل یہ ہے میں نے سمجھ لیا ہے کہ یہ کام قوم کا اپنا ہے کہ وہ قومی جرائد کی حمایت اور اعانت کے پہلو کو مدنظر رکھے۔ اور اس کے علاوہ جب آئے دن قومی ضروریات کے لئے دست سوال دراز کرنا پڑتا ہے تو اس میں مختلف اپیلیں اور تحریکیں قریباً سب کو کمزور کر دیتی ہیں۔ اسی اور دوسری قسم کے خیالات سے متاثر ہو کر میں نے کسی قسم کی اپیل الحکم کے لئے نہیں کی۔ لیکن یہ امر ہر وقت دل میں ہمیشہ کھٹکتا رہتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو الحکم کی اشاعت اور تبلیغ کا دائرہ وسیع کیا جاوے اور اس طرح پر وہ مقصد اور غرض جس کے لئے وہ جاری ہوا ہے زیادہ صفائی اور خوبی سے پوری ہو۔ اس کے ساتھ ہی الحکم کے استحکام اور استقلال کے لئے بھی مختلف تجاویز اور تدابیر میرے سر میں آتی رہیں مگر میں نے ان کو کاغذی لباس پہنا کر شائع نہیں کیا اس لئے کہ میں نے انھیں قبل از وقت سمجھا۔ الحکم کے مفید اور موقت الشیوع ہونے کے لئے اس کے کارخانہ میں چھاپنے کی مشین مہیا کی گئی لیکن مشین چاہتی ہے بہت سے کام کو اور اس کی مقدار ابھی یہاں پوری نہیں اس وجہ سے مشین کا لگانا مالی پہلو سے چنداں مفید ثابت نہیں ہو سکتا اس وقت تک جب تک کہ مطبع کا ذاتی کام اتنا نہ ہو کہ ایک مشین باقاعدہ جاری رہ سکے اس کے لئے تالیفات مفیدہ کا ایک سلسلہ ہونا چاہئے۔ اور وہ سلسلہ روپیہ کی کثیر مقدار چاہتا ہے بہرحال جب اللہ تعالیٰ چاہیگا اور جس طرح پر چاہے گا اس سلسلہ کو مفید اور بابرکت بنا دے گا مجھے اللہ تعالیٰ نے نہ گھبرانے والا اور ہمت نہ ہارنے والا دل عطا کیا ہے والحمد للہ علےٰ ذالک اس یا اسی قسم کی تکالیف اور مشکلات میں آج تک مایوس نہیں ہوا اور نہ انشاء اللہ ہوں گا۔ بہرحال یہ قوم کا فرض ہے کہ وہ اس کارخانہ کی اعانت اور حمایت کے لئے جو اس سے ممکن ہو کرے۔ اسی سلسلہ میں میں نے پسند کیا ہے کہ الحکم کی ایک اشاعت پوری دس ہزار چھاپ کر شائع کی جاوے اگرچہ دس ہزار کی تعداد اس زمانہ میں جبکہ عام اخبارات دس دس ہزار چھپ رہے ہیں اپنے اندر کوئی خصوصیت نہیں رکھتی لیکن جبکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ باقاعدہ شائع ہونے والے مذہبی اردو اخبارات میں سے کوئی دس ہزار چھاپ کر تقسیم نہیں کیا گیا تو یہ خصوصیت قائم رہتی ہے۔ ہاں اس کے ساتھ یہ امر ملحوظ قوم رہنا چاہئے کہ آئندہ کے لئے اس دس ہزار کی اشاعت کو باقاعدہ قائم رکھنے کے لئے کوئی انتظام ضروری ہے اور اس کی ایک ہی صورت ہے کہ جدید خریداران کے بہم پہنچانے کی فکر ہو۔ فی الحال یہ پرچہ جو میں دس ہزار شائع کروں گا وہ انشاء اللہ

۱۰- اکتوبر سنہ ۱۹۰۸ء

کا الحکم ہوگا۔ اس نمبر کی اشاعت پر چار سو روپیہ کے قریب خرچ آئیگا اگر ہمارے سو دوستوں نے بھی اس کے لئے اعانت کی تو یہ وہ ہزاری نمبر ان کی اعانت اور ہمدردی کا ایک نمونہ ہوگا اور سعی فی الدین میں اُن کے لئے قابل قدر یادگار صدقہ جاریہ کی ہوگی۔ میں کسی ایک یا دوسرے دوست کا نام لیکر اعانت کی درخواست نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ جس جس کو چاہے گا توفیق دیگا یہ وہ ہزاری نمبر اپنے اندر بہت سی خصوصیتیں رکھیگا اور اس کے مضامین انشاء اللہ العزیز سلسلہ عالیہ احمدیہ کی چوٹی کے بزرگوں کے قلم سے لکھوائے جائینگے اور ان مضامین میں لحاظ رکھا جائیگا کہ جو لوگ باوجود سلسلہ سے ناواقف ہونے کے اس ایک نمبر کو بھی پڑھ لیں وہ جہاں سلسلہ کے اغراض و مقاصد سے واقف ہو سکیں وہاں انھیں سلسلہ کی عظمت اور صداقت کے دلائل پر بھی اطلاع مل جاوے۔ بہرحال یہ کہنا تو قبل از وقت ہی ہوگا کہ یہ نمبر کس قسم کا ہوگا۔ ہاں کوشش کی جاوےگی اور خدا تعالیٰ کے فضل سے توفیق مانگی جاویگی کہ وہ ہزاری نمبر ایک مفید اور نمونہ نمبر ہو۔

یہ نمبر اصل خریداران کے سوا اُن لوگوں کی خدمت میں بھیجا جاویگا۔ جو مذہب سے دلچسپی رکھتے ہیں اور با وجو بلحاظ اپنی وجاہت اور پوزیشن کے ایسے لوگ ہیں کہ اُن سے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ آزادی اور بے تعصبی سے اسے پڑھیں گے۔ اس پہلو سے یہ نمبر ایسے دس ہزار آدمیوں کے پاس انشاء اللہ بھیجا جاوے گا جو تعلیم یافتہ اور معزز ہوں۔ اس مقصد کے پورا کرنے کے لئے میں اپنے دوستوں سے ایسی فہرستوں کی اعانت کی امید کرتا ہوں جو وہ ایسے لوگوں کی بہم پہنچا سکیں۔ اس قسم تمام فہرستیں آخیر اگست سنہ ۱۹۰۸ء تک پہنچ جانی چاہئیں۔

اس دس ہزاری نمبر کے ساتھ بطور ضمیمہ معتبر اور مشہور کارخانوں کے ایسے اشتہارات بھی شائع ہو سکینگے جو ایک مذہبی اخبار کی شان اور حیثیت کے خلاف نہوں۔ ایسے اشتہاروں کے نرخ کیلئے قبل از وقت فیصلہ کر لینا چاہئے اس لحاظ سے کہ اخبار کی اشاعت میں ایک معتد بہ ترقی ہو آخیر اگست سنہ ۱۹۰۸ء تک کے لئے میں نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس اثنا میں جس قدر جدید درخواستیں الحکم کی خریداری کے لئے آئیں گی۔ ان میں سے پہلی پچاس درخواستوں کے خریداران کو سنہ ۱۹۰۳ء سے لیکر سنہ ۱۹۰۷ء تک کے الحکم کے پرانے فائل جو اب تک خاص صورتوں کے سوا دس روپیہ سالانہ پر دیئے گئے ہیں صرف للعہ پر دیئے جاوینگے اور اس کے بعد کی ۱۰۰ درخواستوں کو سورۃ بقرہ کی مکمل تفسیر جو ۱۲ پر دی گئی ہے صرف ۸ پر دی جاوے گی۔ اس کے علاوہ کارخانہ الحکم کی دوسری تصانیف کے متعلق ایک اور رعایت بھی کی جائے گی جس کے لئے علیحدہ اشتہار ہوگا۔

اب قوم کا فرض ہے کہ وہ اس مقصد میں میری اعانت کرے۔ اللہ تعالیٰ خود اس کا حامی اور ناصر ہوگا۔

گر مخلصانہ حق سے ہوگی دعا ہماری
خالی نہیں رہیگا۔ دست سوال اپنا

انوار احمدیہ مشین پریس قادیان میں شیخ یعقوب علی تراب کے اہتمام سے چھپکر شائع ہوا